

انسانی اسمگلنگ رپورٹ برائے ۲۰۱۹ء (پاکستان) (نگرانی کی فہرست درجہ دوم)

اگرچہ حکومت پاکستان انسانی اسمگلنگ کے مکمل خاتمہ کی کم سے کم شرائط پر پوری نہیں اترتی ہے۔ لیکن یہ اس حوالے سے ٹھوس کوششیں کر رہی ہے۔ ان کوششوں میں پہلی بار حکومت کے جامع انسداد انسانی اسمگلنگ قانون کے تحت اس میں ملوث افراد کو سزائیں سنائی جا رہی ہیں۔ گزشتہ برس کے مقابلہ میں جبری مشقت کا ارتکاب کرنے والے زیادہ افراد کو سزائیں ہوئی ہیں۔ اور ملک گیر سطح پر اینٹوں کے بھٹوں کی رجسٹریشن کا عمل تیز کیا گیا ہے تاکہ ان مزدوروں کی حالت پر نظر رکھی جاسکے جو انسانی اسمگلنگ کرنے والوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ حکومت نے پچھلی رپورٹ کے دورانیہ کے مقابلہ میں انسانی اسمگلنگ کا نشانہ بننے والوں کی زیادہ تعداد کی نشاندہی کی ہے اور بیرون ملک اسمگلنگ میں ملوث آٹھ مشتبہ افراد کے خلاف تحقیقات شروع کی ہیں۔ حکومت جنسی مقاصد کے لئے کی جانے والی اسمگلنگ میں ملوث افراد کے خلاف تحقیقات اور مقدمات چلانے کے واقعات میں نمایاں کی لانے میں کامیاب ہوئی ہے۔ صوبہ پنجاب نے جہاں ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی رہتی ہے انسانی اسمگلنگ کے خلاف تقریباً تمام قوانین کے نفاذ کی غیر معمولی کوششوں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ چلنے والے مقدمات میں سے 98 فیصد میں سزائیں سنائی گئی ہیں۔ گزشتہ برسوں کے دوران میں پاکستان کے چھ صوبوں میں صرف دو صوبوں میں انسانی اسمگلنگ میں ملوث کسی مجرم کو سزا ہوئی تھی۔ مسئلہ کی سنگینی کے پیش نظر مزدوروں کی اسمگلنگ کے خلاف قوانین کے نفاذ کی کوششیں ناکافی رہی ہیں۔ پنجاب جبری مشقت کے لئے انسانی اسمگلنگ کرنے والوں کے خلاف کام کرنے کی اطلاع دینے والا واحد صوبہ ہے۔ صوبہ سندھ میں مقامی حکام اینٹوں کے بھٹوں اور کھیتوں میں جاری جبری مشقت کے جرم میں برابر کے شریک ہیں اور انہیں کسی قانونی کارروائی کا خوف بھی نہیں ہے۔ حکومت نے پچھلی رپورٹ کے دورانیہ کے برعکس اب کے حکومت نے انسانی اسمگلنگ میں ملوث مجرموں کے ساتھ حکام کے گٹھ جوڑ کے بارے میں ٹھوس ثبوت ہونے کے باوجود کوئی کارروائی کرنے سے احتراز کیا ہے۔ اور مختلف اداروں نے بتایا ہے کہ اس سال کے دوران میں حکام کی ملی جھگت اور بدعنوانیوں کے باعث انسانی اسمگلنگ کے کئی بائی پرو فائل مقدمات واپس لے لئے گئے ہیں۔ حکومت کے پاس متاثرین کی دیکھ بھال کے لئے بھی وسائل ناکافی ہیں۔ انسانی اسمگلنگ کے کل متاثرین میں سے صرف چار فیصد کی دیکھ بھال کی سہولت فراہم کی جاسکی ہے۔ اسی لئے پاکستان کی تیزی نگرانی کی صف دوم میں کردی گئی ہے۔

ترجمی سفارشات :

- ☆ وفاقی اور صوبائی سطح پر جبری مشقت اور جنسی مقاصد کے لئے کی جانے والی انسانی اسمگلنگ میں ملوث افراد، ان کا ساتھ دینے والے حکام کے خلاف مقدمات اور سزاؤں میں اضافہ ہونا چاہیئے اور اس گھناؤ نے دھندے میں ملوث ہر فرد کو سخت سزا ملنی چاہیئے۔
- ☆ لیبر ڈیپارٹمنٹ کو ہدایت کی جائے کہ وہ جبری مشقت کے تمام مشتبہ واقعات کی فوجداری تفتیش کے لئے پولیس سے رجوع کرے۔
- ☆ صوبوں میں پولیس کے اہلکاروں، لیبر انسپکٹروں اور سماجی خدمات کے اداروں کے اہلکاروں سمیت حکام کو متاثرین کی شناخت اور ان کو بحالی کے مراکز تک پہنچانے کے معیاری مروجہ طریقہ کار کے بارے میں تربیت دی جائے۔
- ☆ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ متاثرین کو کسی ایسے غیر قانونی کام پر سزا دی جائے جس کا ارتکاب کرنے پر انہیں انسانی اسمگلروں نے مجبور کیا ہو۔
- ☆ انسداد انسانی اسمگلنگ ایکٹ مجریہ 2018 کے قواعد و ضوابط کو حتمی شکل دینے، انہیں مستحکم کرنے اور حکام کو ان پر عمل درآمد کی تربیت دینے کی کوششیں تیز کی جائیں۔

☆ انسانی سمگلنگ کے متاثرین کو لے لئے خصوصاً مردوں کے لئے ضروری خدمات کا معیار اور دستیابی بہتر بنانے اور انہیں ان سہولیات سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کرنے کے لئے ٹھوس کوششیں کی جائیں۔

☆ انسانی سمگلنگ کے مقدمات کی سماعت اور پیروی کے لئے خصوصی جج اور کلاء استغاثہ کا تقرر کیا جائے۔

☆ جبری مشقت کے شکار لوگوں کے لئے پناہ گاہوں، شناختی دستاویزات اور قانونی امداد جیسی سہولیات بہم پہنچائی جائیں۔

☆ اینٹوں کے بھٹوں کو فیکٹریوں کے متعلقہ قوانین کے تحت رجسٹر کرنے اور ان کا معائنہ کرنے اور جبری مشقت لینے والے مشتبہ افراد کو قانون کے حوالے کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

☆ کارکنوں کی بھرتی کیلئے وصول کئے جانے والے ہر طرح کے معاوضوں کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

☆ سرکاری حکام کو انسانی سمگلنگ اور نقل مکانی کرنے والوں کی سمگلنگ کے مابین فرق کو واضح طور پر شناخت کرنے کی تربیت دینے کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔

☆ انسداد انسانی سمگلنگ ایکٹ مجریہ 2018ء میں جنسی مقاصد کے لئے انسانی سمگلنگ کرنے والوں کو سزائے قید کی جگہ جرمانہ کرنے کی سزا دینے کا قانون تبدیل کیا جائے۔

☆ متعلقہ حکومتوں کے ساتھ خواتین کارکنوں کے تحفظ کے بارے میں گفت و شنید کے ساتھ ساتھ خواتین کی بیرون ملک نقل مکانی پر عائد پابندیاں ہٹائی جائیں۔

☆ انسداد انسانی سمگلنگ کے اعداد و شمار جمع کرنے اور انہیں صحیح طریقے سے پیش کرنے کی کوششیں بہتر کی جائیں۔

☆ انسانی سمگلنگ کے حوالے سے اقوام متحدہ کے قوانین مجریہ 2000ء منظور کئے جائیں۔

استغاثہ:

اگرچہ حکومت کی طرف سے مزدوروں کی سمگلنگ کے مقدمات اور سزائیں سنانے میں اضافہ ہوا ہے لیکن جنسی مقاصد کے لئے کی جانے والی سمگلنگ کی تحقیقات اور مقدمات چلانے میں نمایاں کمی دیکھنے میں آئی ہے۔ پاکستانی قوانین کے تحت جنسی مقاصد اور مشقت لینے کے لئے کی جانے والی انسانی سمگلنگ قابل دست اندازی پولیس جرائم ہیں۔ انسداد انسانی سمگلنگ ایکٹ مجریہ 2018ء کے تحت ان دونوں جرائم میں اگر متاثرہ فریق مرد ہو تو اس کی سزاسات سال تک قید یا دس لاکھ روپے (6460 امریکی ڈالر) جرمانہ یا دونوں سزائیں ہیں۔ اگر متاثرہ فریق ایک بالغ خاتون یا بچہ ہو تو اس کی سزا دو سے دس برس تک قید، دس لاکھ روپے (6460 امریکی ڈالر) تک جرمانہ یا دونوں سزائیں ہیں۔ یہ خاصی خوفناک سزائیں ہیں۔ تاہم جنسی مقاصد کے لئے کی جانے والی انسانی سمگلنگ میں قید کی جگہ جرمانہ ادا کرنے کی سزا دیگر سنگین جرائم مثلاً زنا بالجبر کی سزاؤں سے لگا نہیں کھاتی۔ حکومت اب بھی انسانی سمگلنگ کی بعض صورتوں میں مقدمہ قائم کرنے اور چلانے کے لئے تعزیرات پاکستان سے کام لیتی ہے۔ مثال کے طور پر اس کا سیکشن 371A اور 371B کسی فرد کو عصمت فروشی کے لئے استعمال کرنے کے لئے خریدنے پر لاگو ہوتا ہے اور اس جرم کی سزا پچیس سال قید اور جرمانہ ہے۔ سیکشن 374 غیر قانونی جبری مشقت سے متعلق ہے اس کی سزا پانچ سال قید، جرمانہ یا دونوں ہیں۔ سیکشن 366A اٹھارہ سال سے کم عمر بچوں کی دلائی کی سزاؤں میں سال قید اور جرمانہ ہے۔ سیکشن 370 کے تحت کسی بھی شخص کی غلام کے طور پر خرید و فروخت جرم ہے اور اس کی سزاسات سال قید، جرمانہ یا دونوں ہیں۔ سیکشن 371 کے تحت غلاموں کی خرید و فروخت کے عادی مجرموں کو عمر قید کی سزا سنائی جاسکتی ہے اور سزاؤں میں سال قید سے کم ہو تو جرمانہ بھی عائد کیا جاسکتا ہے۔ یہ سزائیں کافی سخت ہیں۔ اور جنسی مقاصد کے لئے انسانی سمگلنگ کی سزا بھی زنا بالجبر جیسے سنگین جرائم کی سزا کی طرح

سخت ہے۔ وفاق کی سطح پر نافذ جبری مشقت کے خاتمہ کے ایکٹ کی رو سے جبری مشقت لینے کی سزا دو سے پانچ سال قید، جرمانہ یا دونوں ہیں اور یہ کافی سخت سزائیں ہیں۔ 2010ء میں شروع ہونے والے اختیارات کی نچلی سطح پر منتقلی کے بعد سے صوبے جبری مشقت کے خاتمہ سمیت مزدور کارکنوں سے متعلق اپنے قوانین پر عمل پیرا ہیں۔ وفاق کے قوانین کا اطلاق صوبوں پر اُس وقت تک ہوتا ہے جب تک وہ ان کے متبادل قوانین تیار اور نافذ نہیں کر لیتے۔

انسداد انسانی سمگلنگ ایکٹ مجریہ 2018ء اس لئے نافذ کیا گیا کہ حکومت ایک غیر ملکی ادارے کے ساتھ اس کے نفاذ کے قواعد و ضوابط تیار کر رہی تھی۔ پنجاب نے اس ایکٹ کے تحت پانچ مقدمات قائم کر کے پچاسی مشتبہ افراد کے خلاف تحقیقات کیں۔ کئی مقدمات چلائے اور انسانی سمگلنگ میں ملوث چودہ افراد کو سزائیں سنائیں۔ بعض سمگلروں پر جرم ثابت ہونے پر جرمانے عائد کئے گئے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ کسی کو قید کی سزا بھی ہوئی یا نہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں اس ایکٹ کے تحت ایک مقدمہ میں چار مشتبہ افراد کے خلاف تحقیقات شروع کیں جو رپورٹ بھیجے جانے کے وقت تک مکمل نہیں ہو پائی تھیں۔ حکومت نے صوبہ اور خصوصی انتظامی علاقوں میں تعزیرات پاکستان کے تحت انسانی سمگلنگ کے واقعات کی تحقیقات، مقدمات اور دی جانے والی سزاؤں کے بارے میں مطلع کیا ہے۔ مجموعی طور پر قانون نافذ کرنے والے اداروں اور عدلیہ کے ذریعے جنسی مقاصد کے لئے انسانی سمگلنگ کے 916 واقعات کی تحقیقات کیں۔ 567 مقدمات دائر کئے اور جنسی مقاصد کے لئے انسانی سمگلنگ کے 131 مجرموں کو سزائیں سنائی گئیں۔ یہ تعداد گذشتہ رپورٹ کے عرصہ میں جنسی مقاصد کے لئے انسانی سمگلنگ کے 2367 واقعات کی تحقیقات، 2212 مقدمات چلائے جانے اور ایک بڑی تعداد کو سزائیں سنائے جانے کے مقابلہ میں کہیں کم ہے۔ پنجاب میں تعزیرات پاکستان کے سیکشن 371A کے تحت جنسی مقاصد کے لئے انسانی خرید و فروخت کے زیادہ تر واقعات کی تحقیقات کی گئی اور صرف ایک مقدمہ میں سزا سنائی گئی۔ حکومت نے دی جانے والی سزاؤں کی تفصیلات نہیں بتائیں۔ سندھ میں جنسی مقاصد کے لئے انسانی سمگلنگ کے دو مقدمات میں سزائیں سنائی گئیں۔ آزاد جموں کشمیر میں جنسی مقاصد کے لئے انسانی سمگلنگ کے کسی ایک واقعے کی بھی تحقیقات نہیں کی گئی۔ پنجاب جنسی مقاصد کے لئے انسانی سمگلنگ کے خلاف قوانین کے نفاذ میں پیش پیش رہا ہے۔ ملک بھر میں جنسی مقاصد کے لئے انسانی سمگلنگ کے اعداد و شمار کی رو سے ہونے والی تحقیقات میں پنجاب کا حصہ 85 فیصد، مقدمات میں 81 فیصد اور سزاؤں میں 98 فیصد رہا۔ مزدوروں کی سمگلنگ خاص طور پر جبری مشقت کے ضمن میں حکومت کی طرف سے قوانین کے نفاذ کی کاروائیاں ناکافی رہی ہیں۔ جبری مشقت کے خاتمہ کے قانون کے نفاذ کے باوجود جبری مشقت بدستور کرائی جا رہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ قانون کا غیر موثر نفاذ اور طاقتور مقامی حکام کی آشیر باد ہے۔ صرف پنجاب میں جبری مشقت کے خاتمہ کے قانون کے تحت انسانی سمگلروں کے خلاف تحقیقات کی جا رہی ہے، مقدمات چلائے جا رہے ہیں اور سزائیں سنائی جا رہی ہیں۔ پنجاب میں حکام نے جبری مشقت کے 17 مقدمات کی تحقیقات کیں، بیس مقدمات چلائے اور سولہ مجرموں کو سزائیں سنائی گئیں۔ گذشتہ رپورٹ کے عرصہ میں یہ تعداد بالترتیب تیس، بائیس اور تین تھی جبکہ 2017ء میں 197 مقدمات میں تحقیقات کی گئی تھی 182 مقدمات چلائے گئے تھے اور 37 افراد کو سزائیں سنائی گئی تھیں۔ گویا 2017ء کے مقابلہ میں اب کے مقدمات اور سزاؤں کی تعداد میں بہت کمی واقع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ پنجاب چائلڈ پروفیکشن اینڈ ویلفیئر بورڈ نے اینٹوں کے بھٹوں کے ایکٹ کے تحت بچوں سے مشقت لینے کی ممانعت کی خلاف ورزی پر 616 ایف آئی آرز کٹوائیں۔ ایک بین الاقوامی ادارے کا کہنا ہے کہ جبری مشقت کے خاتمہ کے قانون کے موثر نفاذ میں ناکامی کی بنیادی وجہ شکایات پر کارروائی کرنے میں پولیس کی عدم دلچسپی اور نچلی عدالتوں کے ججوں کی قانون سے عدم واقفیت ہے۔ مزید برآں سندھ سمیت دیگر صوبوں میں لیبر ڈیپارٹمنٹ جبری مشقت کے معاملات دیکھتا ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ جرمانہ عائد کر سکتا ہے۔ پنجاب نے تعزیرات پاکستان کے سیکشن 374 کے تحت غیر قانونی جبری مشقت کے صرف ایک واقعے کی تحقیقات اور مقدمہ کی کارروائی شروع کی۔ اگرچہ 2018ء کا PHTA انسانوں کی سمگلنگ کے حوالے سے تعزیرات پاکستان کے سیکشن 369A کا احاطہ کرتا

ہے۔ سندھ حکام نے اسی سیکشن کے تحت ایک تحقیقات شروع کرنے کی اطلاع دی ہے۔ گزشتہ رپورٹوں کے عرصہ کی طرح اس بار بھی سندھ کے حکام نے سیکشن 371 کے تحت غلاموں کی خرید و فروخت کے عادی چار افراد کے خلاف تحقیقات شروع کیں اور تین مقدمات دائر کئے۔ اگرچہ سندھ پولیس نے اس عرصہ کے دوران میں جبری مشقت کے شکار 677 افراد کو ان کے قید خانوں سے رہائی دلانی لیکن اُس نے فوجداری مقدمات دائر نہیں کئے۔ اگرچہ پولیس اور استغاثہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مقدمات کی پیروی کریں، لیکن حکام نے بتایا ہے کہ چونکہ متاثرین تحقیقات اور مقدمہ کی کارروائی کے اخراجات پورے کرنے کی سکت نہیں رکھتے اس لئے یہ پیروی نہیں کی جاسکی۔ حکومت نے تعزیرات پاکستان کی کئی شقوں اور اعداد و شمار کا تذکرہ کیا ہے جو انسانی سمگلنگ اور اس سے ہٹ کر جانے والے جرائم سے متعلق ہیں۔ لیکن یہ بتانے سے قاصر رہی ہے کہ کون سی الگ الگ شقیں ان دونوں جرائم سے متعلق ہیں۔ سندھ کی عدالتیں انسانی سمگلنگ کے مقدمات میں کبھی کبھار ہی متاثرین کو ظالموں کے چنگل سے چھڑانے کے لئے مداخلت کرتی ہیں۔ لیکن وہ کبھی جبری مشقت کے جرم میں ملوث افراد کے خلاف قانونی کارروائی نہیں کرتیں۔ اگرچہ سندھ میں جبری مشقت کو جرم قرار دینے کی قانون سازی 2015ء میں کر لی گئی تھی لیکن اس پر عمل درآمد کے لئے ضروری دیوانی اور فوجداری قواعد ابھی تک تشکیل نہیں دیئے جاسکے۔

ہیں۔ اگرچہ BLSA کی رو سے ہر صوبہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانے، اس بارے میں رپورٹیں تیار کرنے اور مقدمات دائر کرنے کے لئے ضلعی نگران کمیٹیاں تشکیل دی جائیں۔ جبکہ حکومت جبری مشقت کے شکار افراد سے یہ توقع رکھتی ہے کہ وہ BLSA کے بارے میں جانکاری رکھیں گے۔ وہ اپنے زمینداروں کو چھوڑتے ہوئے خود اپنے مقدمات عدالتوں میں دائر کریں گے۔ تمام تر مشکلات کے باوجود اگر کبھی جبری مشقت میں گرفتار شخص عدالت میں مقدمہ دائر کر بھی لے تو عدالتیں اول تو خود کوئی کارروائی کرتی ہی نہیں۔ یا پھر انہیں انتظامیہ کے حوالے کر دیتی ہیں۔ یوں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسانی سمگلنگ کے متاثرین کو اپنے مالکان کے بغیض و غضب کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔

انسانی سمگلنگ کے حوالے سے جملہ معاملات کی دیکھ بھال اور دیگر اداروں کے ساتھ معاونت کرنے والا سب سے بڑا سرکاری ادارہ وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (ایف آئی اے) ہے۔ یہ ایجنسی انسانی سمگلنگ کے بین الاقوامی نیٹ ورک پر نظر رکھتی ہے جبکہ صوبائی محکمہ پولیس عام طور پر اندرون ملک انسانی سمگلنگ کے معاملات پر نظر رکھتا ہے۔ اگرچہ صوبائی پولیس اور ایف آئی اے کبھی کبھار ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی اعداد و شمار اکٹھے کرنے اور قانون کے نفاذ کے ضمن میں باہمی تعاون کمزور اور پیچیدہ ہے۔ ایف آئی اے انسانی سمگلنگ اور غیر ممالک کو غیر قانونی نقل مکانی کے واقعات کی تفتیش و فاتی، صوبائی اور مقامی سطحوں پر انسداد سمگلنگ قوانین کے نفاذ کی اپنی چومیس جوائنٹ ٹاسک فورسز کرتی ہے۔ ایف آئی اے کے اہلکاروں اور نئے بھرتی ہونے والے افسروں کو باقاعدگی کے ساتھ انسانی سمگلنگ کی مختلف اقسام بشمول انسانی سمگلنگ اور غیر قانونی طور پر ملک سے باہر جانے کے درمیان فرق کے بارے میں تربیت دی جاتی ہے تاہم کچھ اہلکار اس جرم کی مختلف اقسام میں فرق کو شناخت نہیں کر پاتے۔ غیر ملکی حکومتیں اور عالمی ادارے پولیس، وکلاء، استغاثہ، تفتیشی افسروں اور ایف آئی اے حکام کے لئے انسانی سمگلنگ سے متعلق تربیت کے لئے مالی معاونت فراہم کرتے ہیں جبکہ سرکاری ادارے کچھ تربیتی پروگراموں کے لئے وسائل مہیا کرتے ہیں۔ تین ممالک میں ایف آئی اے کے چھوٹے دفاتر قائم ہیں۔ اومان میں قائم دفتر نے انسانی سمگلنگ کے آٹھ واقعات کی تحقیقات کرنے کا کہا ہے۔ این جی اوز کا کہنا ہے کہ انسانی سمگلنگ سمیت بہت سے جرائم کی فوجداری تحقیقات کے لئے ضروری ایف آئی اے آدرج کرنے میں صوبائی پولیس لیت و لعل سے کام لیتی ہے۔ مزید برآں انسانی سمگلنگ کے مقدمات کی طوالت اور کم سزاؤں کی وجوہات میں ضروری تربیت سے محروم نوجوان اور وکلاء، استغاثہ، اور مقدمات کی بھرمار شامل ہے۔ حکومت نے قوانین کے نفاذ میں باہمی تعاون کے لئے کئی ممالک کے ساتھ دو طرفہ معاہدے کر رکھے ہیں اور اس عرصہ میں انسانی سمگلنگ اور غیر قانونی نقل مکانی کرنے کے آٹھ واقعات کی تحقیقات میں شرکت کی ہے اور جنسی مقاصد کے لئے انسانی سمگلنگ میں ملوث ایک شخص کو برطانیہ کے حوالے کیا ہے۔

رپورٹ کے اس عرصہ کے دوران میں انسانی سمگلنگ کے خلاف کوششوں میں ایک بڑی رکاوٹ سرکاری حکام کی طرف سے انسانی سمگلنگ کرنے والوں کے ساتھ ملی بھگت ہے۔ گزشتہ برس کے مقابلہ میں سرکاری حکام کی انسانی سمگلنگ کے واقعات میں ملوث ہونے کی مسلسل اور زیادہ اطلاعات کے باوجود ایسے حکام کے خلاف تحقیقات، مقدمات چلانے اور سزائیں سنانے میں کمی دیکھنے میں آئی ہے۔ سرکاری حکام اور ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق پاکستانی اور چینیوں کے ایک منظم گروہ نے 2018-2019ء کے دوران میں 620 پاکستانی خواتین کو بظاہر شادی کے لئے چین بھجوایا۔ لیکن حقیقت میں ان ”خاندانوں“ نے کئی خواتین کو جنسی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنانے کے ساتھ ساتھ عصمت فروشی پر بھی مجبور کیا۔ اگرچہ حکام نے کچھ مشتبہ چینی افراد کے خلاف تحقیقات شروع کی لیکن بعد میں تمام ۳۱ مشتبہ افراد کو رہا کر دیا گیا۔ این جی او اور ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق کچھ طاقتور حکام نے اس رہائی کا حکم دیا تھا اور جو افسران انسانی سمگلنگ کے ان واقعات کی تحقیقات جاری رکھنے پر مصر تھے انہیں تبدیل کر دیا گیا۔ مزید برآں اگرچہ متاثرہ خواتین اور ذرائع ابلاغ مسلسل یہ بتاتے رہے کہ اس گھناؤنے دھندے میں پاکستانی اور چینی دونوں ممالک کے افراد ملوث ہیں۔ لیکن حکومت نے کسی ایک پاکستانی مشتبہ فرد کی تحقیقات نہیں کی۔ جولائی 2019ء میں ایک چودہ سالہ نوکرانی نے اپنے مالک کے بارے میں، جو پنجاب اسمبلی کا رکن ہے واضح حقائق بتائے کہ وہ جنسی حملوں اور تشدد سمیت انسانی سمگلنگ میں ملوث ہے۔ اگرچہ پولیس نے رپورٹ درج کر لی تھی لیکن صوبائی حکومت کی مبینہ مداخلت کی وجہ سے پولیس اُسے گرفتار نہ کر سکی۔ یہ رکن اسمبلی اپنی نوکرانی پر زور دیتا رہا کہ وہ لگائے ہوئے الزامات سے دستبردار ہو جائے۔ جنوری 2020ء میں سپریم کورٹ نے ایک دس سالہ لڑکی کو تشدد کا نشانہ بنانے اور اُس سے گھر کا کام کاج کروانے کے جرم میں ایک جج اور اُس کی بیوی کو سزا سنائی جانے والی تین سال قید کی سزا معطل کر دی۔ دس برس میں یہ پہلی بار تھی کہ انسانی سمگلنگ سے متعلق جرائم میں ملوث ایک سرکاری افسر کو سزا سنائی گئی تھی۔ اور اس سزا کو بھی معطل کر کے ابتدائی طور پر دی جانے والی ایک سال کی سزا بحال رکھی گئی۔ اکتوبر 2018 میں پولیس نے پاکستانی فوج کی ایک افسر کے گھر سے ایک دس سالہ نوکرانی کو رہائی دلوائی جس کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ پولیس نے اُس خاتون میجر کے شوہر کو گرفتار کیا تھا۔ حکومت نے اس بارے میں مزید یہ نہیں بتایا کہ اُس نوکرانی کے مالکان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا یا نہیں اور آیا اُسے ایسے آئی کے خلاف تحقیقات شروع کی گئی یا نہیں جس کو مبینہ طور پر یہ مقدمہ درج نہ کرنے پر ابتدائی طور پر معطل کیا گیا تھا۔

حکومت نے جبری مشقت کے و باکی طرح پھیلاؤ میں مقامی حکام کی ملی بھگت کے خلاف کسی بھی کارروائی کی اطلاع نہیں دی۔ جس کی وجہ سے یہ تاثر مل رہا ہے کہ مجرموں کو کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے۔ جاگیردار اور اینٹوں کے بھٹوں کے مالکان جبری مشقت لینے کے لئے اپنے سیاسی روابط کو استعمال کرتے ہیں۔ کچھ ایسے واقعات بھی رونما ہوئے ہیں کہ جبری مشقت کے شکار لوگ جب قانون کا سہارا لینے یا اپنے مالکان کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کریں تو پولیس مقدمہ درج کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور مزدوروں کو اُن کے مالکان کے حوالے کر دیتی ہے۔ این جی او بتاتی رہی ہیں کہ جبری مشقت لینے والوں نے پولیس کے ساتھ مل کر متاثرین کے خلاف جعل سازی کے مقدمات درج کرائے اور انہیں جیلوں کو بھجوایا۔ ایسی اطلاعات بھی ملی ہیں کہ جبری مشقت کے کچھ ایسے متاثرین کو، جنہیں حکام یا این جی او نے رہائی دلائی تھی، اُن کے مالکان نے پولیس کی ملی بھگت سے اغوا کر لیا۔ جبری مشقت لینے والے اگر دولت مند اور سیاسی طور پر بارسوخ مقامی افراد ہوں تو پولیس اُن کے خلاف کسی بھی کارروائی سے بچکپاتی ہے۔ اطلاعات کے مطابق بعض صورتوں میں پولیس صرف اُس وقت انسانی سمگلنگ اور جبری مشقت جیسے جرائم کے خلاف متحرک ہوتی جب ذرائع ابلاغ اور دیگر لوگوں کی طرف سے دباؤ پڑا۔ مبصرین نے الزام عائد کیا ہے کہ پولیس عصمت فروشی سے متعلق جرائم سے چشم پوشی کرنے کے لئے رشوت وصول کرتی ہے۔ ان میں جنسی مقاصد کے لئے کی جانے والی انسانی سمگلنگ اور سرحدوں پر تعینات حکام کی انسانی سمگلنگ میں مبینہ ملی بھگت شامل ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ پولیس کو جب تک رشوت نہ دی جائے اُس وقت تک وہ بچوں کے جنسی استحصال اور جنسی مقاصد کے لئے بچوں کی سمگلنگ جیسے جرائم کی رپورٹ درج ہی نہیں کرتی۔ کچھ گارنٹس فیکٹریاں لیبر ڈیپارٹمنٹ کے حکام کو معائنہ نہ کرنے کے لئے ماہانہ رشوت دیتی ہیں۔ سندھ میں کچھ فیکٹریوں نے سرکاری افسروں کو

معائنہ کرنے سے روک دیا۔ اور پنجاب میں، جہاں ملک کی ستر فیصد کپڑے کی صنعت قائم ہے۔ اور جہاں جبری مشقت لینے کے کئی واقعات ہوئے ہیں۔ حکومت نے ستمبر 2019ء میں لیبر انسپکٹروں کو کسی بھی فیکٹری کا معائنہ کرنے سے منع کر دیا ہے۔

تحفظ:

حکومت نے کئی متاثرین کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن ان متاثرین خصوصاً جبری مشقت کے چنگل میں پھنسے ہوؤں کے تحفظ کی ناکافی کوششوں میں بھی کمی کر دی ہے۔ پولیس نے 2019ء میں جبری مشقت کے شکار 19954 افراد کی نشاندہی کی ہے جبکہ 2018ء میں یہ تعداد 19754 تھی۔ ان متاثرین میں 15802 خواتین شامل ہیں جبکہ سندھ اور پنجاب میں جبری مشقت کے شکار 760 افراد کی نشاندہی کی گئی ہے۔ حکام کے اندازے کے مطابق جبری مشقت کے شکار ان لوگوں کی قانونی، مالی اور سماجی امداد کی عدم موجودگی کے باعث ان 760 میں سے بہت سوں کو جلد ہی دوبارہ جبری مشقت کے چنگل میں پھنسا لیا گیا تھا۔ ایف آئی اے نے 66 متاثرین کی نشاندہی کی ہے۔ جن کی اکثریت خواتین پر مشتمل ہے اور وہ عمان میں عصمت فروشی کی غرض سے سمنگل کی گئیں تھیں۔ گذشتہ رپورٹ کے عرصہ کے دوران میں ایک بھی متاثرہ فرد کی نشاندہی نہیں کی گئی تھی۔ حکومت کا کہنا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں، امیگریشن حکام اور سماجی کارکنوں نے انسانی سمگلنگ کے شکار افراد کی شناخت کے لئے معیاری لائحہ عمل SOPs مقرر کئے ہوئے ہیں لیکن یہ بات ابھی تک واضح نہیں ہو سکی ہے کہ ان پر کس حد تک عمل درآمد کیا جا رہا ہے اور انہیں کس قدر عام کیا گیا ہے۔ صوبائی حکام اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افسروں کی اکثریت کا کہنا ہے کہ انہیں کبھی معیاری لائحہ عمل SOPs موصول نہیں ہوئے اور نہ ہی ان پر عمل کیا۔ قانون نافذ کرنے والے دیگر ادارے وقتی طور پر ان اصولوں پر تھوڑا بہت عمل درآمد کر لیتے ہیں۔

صوبائی پولیس نے انسانی سمگلنگ کے صرف ایک مرد سمیت 799 متاثرین کو دیکھ بھال کے لئے حکومت یا این جی اوز کے حوالے کیا ہے۔ گذشتہ رپورٹ کے عرصہ کے دوران میں 2697 افراد کو دیکھ بھال کے لئے بھیجا گیا تھا۔ گوکہ اس تعداد میں خاصی کمی واقع ہوئی ہے لیکن ابھی تک جن متاثرین کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان کی تعداد کے ساتھ یہ اعداد و شمار لگا نہیں کھاتے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ کچھ متاثرین نے سرکاری سہولیات سے فائدہ اٹھانے سے انکار کیا۔ انسانی سمگلنگ کے شکار زیادہ تر افراد خصوصاً مرد متاثرین کے لئے بہت سے علاقوں میں پناہ گاہ اور دیگر خدمات دستیاب نہیں ہیں۔ انسانی سمگلنگ اور دیگر مشکل حالات کا سامنا کرنے والی خواتین کے لئے سرکاری رہائش گاہیں ہی سب سے بڑی سہولت ہیں۔ پنجاب کے تمام چھتیس اضلاع میں خواتین کے لئے دارالامان موجود ہیں۔ سندھ کے انتیس اضلاع میں سے صرف پانچ میں دارالامان ہیں جبکہ چار دیگر مراکز میں ضرورت مند اور پریشان حال خواتین کو تین دن تک رہائش، علاج معالجہ اور قانونی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ خیبر پختونخوا کے چھبیس اضلاع میں سے چھ میں خواتین کے لئے دارالامان اور دس اضلاع میں استحصال کے شکار بچوں کے لئے ویلفیئر سنٹر موجود ہیں۔ بلوچستان کے تیس اضلاع میں خواتین اور بے گھر مردوں کے لئے ایک ایک مرکز موجود ہے۔ دارالحکومت اسلام آباد میں عورتوں اور بچوں کے لئے ایک بجالی مرکز اور ایک فیملی سنٹر قائم ہے۔ این جی اوز اور مقامی سیاست دانوں کا کہنا ہے کہ ان مراکز میں غسل خانوں جیسی بنیادی ضروریات کی شدید قلت ہے۔ اس کے علاوہ کچھ سرکاری دارالامانوں میں خواتین کی نقل و حرکت پر کڑی پابندیاں عائد کر کے انہیں ظلم کی چکی میں پسے کے لئے انسانی سنگروں سمیت دیگر ظالموں کے پاس واپس بھیجنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کچھ خواتین نے یہ شکایت بھی کی ہے کہ انہیں دارالامان کے حکام عصمت فروشی پر مجبور کرتے ہیں۔ پنجاب میں قائم دارالامانوں میں ظلم و تشدد کی شکار خواتین کو پناہ، علاج معالجہ، نفسیاتی اور قانونی معاونت ایک چھت کے نیچے مہیا کی جاتی ہے۔ اگرچہ تشدد سمیت انسانی سمگلنگ اور دیگر ظلم و جبر کی شکار تمام خواتین دارالامان سے رجوع کر سکتی ہیں۔ لیکن حکومت نے یہ نہیں بتایا کہ کتنی متاثرہ خواتین کو مدد فراہم کی گئی ہے۔ بچوں کی

سمگلنگ کے وہ واقعات خاص طور پر پریشان کن ہیں۔ جن میں مبینہ طور پر اُن کے والدین کی آشیر باد شامل ہوتی ہے۔ کیونکہ حکام اکثر و بیشتر انسانی سمگلنگ کا نشانہ بننے والے بچوں کی شناخت ہو جانے پر اس امر کو یقینی بنائے بغیر اُن کے والدین کے حوالے کر دیتے ہیں کہ وہ انہیں آئندہ سمگلروں کے حوالے نہیں کریں گے۔ اگرچہ کئی صوبوں میں متاثرہ بچے دارالامان میں پناہ لینے کے لئے رجوع کر سکتے ہیں لیکن بالغ مردوں کے لئے پورے ملک میں صرف ایک پناہ گاہ ہے۔ جہاں وہ قیام پذیر ہو سکتے ہیں۔ بہت سے سرکاری حکام اس امر کی تردید کرتے ہیں کہ انسانی سمگلنگ کے شکار مرد شناخت کے بعد دیکھ بھال کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ سرکاری حکام اور این جی اوزدونوں کے خیال میں ظلم و جبر کے شکار بالغ مرد سماجی روایات کے باعث امداد قبول کرنے یا مانگنے سے ہچکچاتے ہیں۔ سول سوسائٹی حکومت کی اعانت کے بغیر کچھ متاثرین کو خدمات فراہم کرتی ہے۔ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوا ہے کہ معیاری لائسنس عمل SOPs تک رسائی اور اس حوالے سے تربیت کے فقدان کی وجہ سے حکام نے جنسی مقاصد کے لئے سمگل کئے جانے والے متاثرین کو اخلاقی جرائم میں ماخوذ کر لیا ہو۔

پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں پرائونٹل چائلڈ پروٹیکشن یونٹس کام کر رہے ہیں اور وہ استحصال اور ظلم و جبر کے شکار بچوں کی نشاندہی کرتے اور حکومت اور این جی او کو اُن کے بارے میں مطلع کرتے ہیں۔ خیبر پختونخوا نے زیر بحث سال کے دوران میں دو نئے چائلڈ پروٹیکشن یونٹ قائم کئے ہیں اور اب وہاں ان کی تعداد چودہ ہو گئی ہے۔ اسی عرصہ کے دوران میں بلوچستان نے ایک بین الاقوامی ادارے کے تعاون سے اپنا پہلا چائلڈ پروٹیکشن یونٹ قائم کیا ہے۔ پنجاب میں چائلڈ ویلفیئر اینڈ پروٹیکشن بیورو سڑکوں اور فرٹ پاتھوں پر رہنے والے بے گھر بچوں کی نشاندہی اور امداد کے لئے کھلے استقبالی مراکز چلا رہا ہے۔ سال رواں کے دوران میں ایسے 8114 بے گھر بچوں کی نشاندہی اور امداد کی گئی جبکہ گزشتہ رپورٹ کے عرصہ میں یہ تعداد 10203 تھی۔ حکام نے یہ نہیں بتایا کہ ان میں سے کتنے بچے انسانی سمگلنگ کا نشانہ بنے تھے۔

Bonded Labor System Act (بی ایل ایس اے) کی رو سے ہر صوبہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانے اور جبری مشقت کے شکار افراد کی مدد کرنے کے لئے ضلعی نگران کمیٹیاں تشکیل دی جائیں۔ پنجاب کے تمام چھتیس اضلاع میں ضلع نگران کمیٹیاں قائم ہیں اور رپورٹ کے اس عرصہ کے دوران میں انہوں نے 259 اجلاس منعقد کئے ہیں جبکہ گذشتہ سال 188 اجلاس منعقد کئے گئے تھے۔ سندھ حکومت نے بتایا ہے کہ اُس کے ہاں انتیس ضلعی نگران کمیٹیاں قائم ہیں لیکن ان میں صرف نو کمیٹیوں کے اجلاس منعقد ہوئے ہیں۔ اور باقاعدگی کے ساتھ اجلاس کرنے کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں کوئی ضلعی نگران کمیٹی نہیں ہے۔ کچھ حکام کا خیال ہے کہ ضلعی نگران کمیٹیاں جبری مشقت کے مسئلہ کا مقابلہ کرنے کے لئے درکار ضروری وسائل، معلومات اور جوش و جذبہ سے محروم ہیں۔ اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ ضلعی ڈپٹی کمشنر، جو کہ بلحاظ عہدہ ضلعی نگران کمیٹیوں کے سربراہ ہوتے ہیں جبری مشقت کو اپنی ذمہ داریوں میں ترجیح نہیں دیتے اسی لئے ان کمیٹیوں کے اجلاس منعقد نہیں ہو پاتے۔ صوبائی حکومتیں جبری مشقت کے شکار لوگوں سے یہ توقع رکھتی ہیں کہ وہ سماجی خدمات کے حصول کے لئے خود تگ و دو کریں گے۔ مزید برآں سندھ کے ایک افسر نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اُن کے صوبہ میں جبری مشقت سرے سے موجود ہی نہیں۔ ایک اور افسر نے جبری مشقت کے حوالے سے کہا ہے کہ صوبائی حکومت کو اس مسئلہ سے جو کہ سرے سے وجود ہی نہیں رکھتا، نمٹنے کے لئے اضافی افرادی قوت اور دیگر وسائل مختص کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پنجاب اور خیبر پختونخوا میں درخواست دینے والے جبری مشقت کے شکار لوگوں کو حکومت کی طرف سے مفت قانونی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ این جی او کا کہنا ہے کہ چونکہ سندھ سمیت کئی صوبوں میں لیبر ڈیپارٹمنٹ نے سینکڑوں اینٹیوں کے بھٹوں کو رجسٹر ہی نہیں کیا ہوا ہے اس لئے اُن میں کام کرنے والے ہزاروں بھٹہ مزدور سماجی بہبود کی اُن سہولیات سے مستفید نہیں ہو سکتے جو صوبائی قوانین کے تحت ملنا لازمی ہیں۔

این جی اوز نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ جبری مشقت کے زیادہ تر مقدمات میں فوجداری کارروائی کے بجائے کچھ رقم دے دلا کر مقدمہ ختم کر دیا جاتا ہے کیونکہ متعلقہ حکام متاثرہ افراد کو ظلم و جبر سے چھڑا کر واپس تو لے آتے ہیں لیکن وہ پولیس اور عدلیہ کو یہ نہیں بتاتے کہ اب ایک فوجداری یا دیوبانی مقدمہ کیسے آگے بڑھایا جائے گا۔ یوں اکثر و بیشتر متاثرین پولیس اور عدلیہ کی مدد اور حمایت کھو بیٹھتے ہیں۔ جبری مشقت میں پھنسے ہوئے جن مزدوروں کو حکام ظلم و جبر والی جگہوں سے رہائی دلا دیتے ہیں ان کی اکثریت متبادل روزگار اور رہائش کی سہولیات کی عدم دستیابی کی وجہ سے دوبارہ انہی اینٹوں کے بھٹوں یا کھیتوں میں پہنچ جاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ قرض کے بوجھ تلے دب جاتے ہیں۔ جبری مشقت کے شکار جن لوگوں کے پاس شناختی دستاویزات نہیں ہوتیں وہ زیادہ مشکلات میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ وہ حکومت کی طرف سے ملنے والی صحت اور امدادی خوراک جیسی سہولیات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ این جی اوز کی طرف سے قائم کچھ پناہ گاہوں میں جبری مشقت کے شکار لوگوں کو ان کے اہل خانہ سمیت رہائش دی جاسکتی ہے لیکن ان میں سے اکثر کے پاس طویل مدت کے لئے یہ سہولت دینے کے وسائل نہیں ہوتے۔ انسانی سمگلنگ سے متعلق تحقیقات میں مدد دینے والوں کو حکومت کی طرف سے تحفظ فراہم کرنے کی پالیسی موجود تو ہے لیکن حکومت یہ نہیں بتا پاتی کہ یہ تحفظ کس حد تک فراہم کیا گیا ہے۔ جبری مشقت کے متاثرین اپنے اور اپنے اہل خانہ پر تشدد کے خوف سے جبری مشقت کے چنگل میں پھنسانے والوں کے خلاف گواہی دینے سے بھی ہچکچاتے ہیں۔ 2018ء کا PTPA اور تعزیرات پاکستان عدالتوں کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ انسانی سمگلنگ کے متاثرین کو ظلم و جبر سے رہائی دلائیں۔ لیکن بہت سے مقدمات میں عدالتیں ایسا نہیں کرتیں۔ رپورٹ کے اس عرصہ کے دوران میں حکومت نے وطن واپس لوٹنے والوں اور انسانی سمگلنگ کے متاثرین کی سہولت کے لئے ایران کے ساتھ لگنے والی سرحد پر ایک استقبالیہ مرکز کی تعمیر شروع کی ہے۔ وزارت اور سیز پاکستانیڈ اینڈ ہیومن ریسورس ڈیولپمنٹ کے بیورو آف میگزیشن اینڈ اور سیز ایسپلائمنٹ (BEOE) نے تارکین وطن پاکستانیوں کو معلومات اور ضروری مدد فراہم کرنے کے لئے چودہ ممالک میں انیس کمیونٹی ویلفیئر اتاشی تعینات کئے ہیں۔ BEOE نے یہ نہیں بتایا ہے کہ کسی اتاشی نے انسانی سمگلنگ کے کسی متاثرہ شخص کی نشاندہی یا مدد کی ہے۔ انسانی سمگلنگ کے غیر ملکی متاثرین کو ان کے ملک واپس بھیجنے کا فیصلہ سپریم کورٹ کا فیڈرل ریویو بورڈ کرتا ہے۔ اس فیصلہ کے ہونے تک ملک میں ان کے قیام کی اجازت کا اختیار وزارت داخلہ کے پاس ہے۔ حکام نے اس عرصہ کے دوران میں پاکستان میں انسانی سمگلنگ کے کسی غیر ملکی متاثرہ شخص کی نشاندہی نہیں کی۔

روک تھام:

حکومت انسانی سمگلنگ کی روک تھام کی بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ حکومت نقل وطن اور روزگار کی غرض سے کی جانے والی انسانی سمگلنگ کے خلاف اپنے 2015-2020ء کے نیشنل سٹریٹجک فریم ورک پر عمل پیرا ہے۔ ایف آئی اے کا ریسرچ اینڈ انیلیسس سنٹر ایک غیر ملکی ادارے کے تعاون سے نقل وطن اور روزگار کی غرض سے کی جانے والی انسانی سمگلنگ کے بارے میں ایک سہ ماہی خبر نامہ شائع کر رہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ عام لوگوں ان رپورٹس تک رسائی سے محروم ہیں۔ اگرچہ ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ جبری مشقت پاکستان کا ایک سنگین مسئلہ ہے۔ لیکن پنجاب کے علاوہ صوبائی حکومتیں اس مسئلہ کے بارے میں صحیح اعداد و شمار نہیں رکھتیں۔ جس کی وجہ سے استحصالی صنعتوں اور اضلاع میں اس کے خاتمہ کے لئے کی جانے والی کوششوں میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ کارخانوں، کھیتوں، اینٹوں کے بھٹوں سمیت دیگر شعبوں میں جاری جبری مشقت پر نظر رکھنے اور اس کی نشاندہی میں صف اول کا کردار لیبر انسپکٹرز ادا کرتے ہیں۔ تاہم یہ انسپکٹرز انسانی سمگلنگ کی نشاندہی کی شناخت کی پوری تربیت سے محروم ہیں۔ انہیں معائنہ کرنے کے لئے درکار ضروری مالی وسائل بھی میسر نہیں۔ وہ جبری مشقت کے مقدمات پولیس کے حوالے کرنے کے معیاری لائحہ عمل سے بھی عاری ہیں۔ مزید برآں لیبر انسپکٹروں کے پاس یہ اختیار بھی نہیں ہے کہ وہ جبری مشقت کے شکار بچوں اور بڑوں کو اس ظلم و جبر سے نجات دلا سکیں۔ زراعت

اور گھریلو کام کاج میں بچوں سے کام کرانے اور جبری مشقت لینے کے بے تحاشہ واقعات کے باوجود صوبائی قوانین کی اکثریت اس بارے میں خلاف ورزیوں کی جانچ پڑتال کے لئے لیبر انسپکٹروں کو ملازمتوں کی جگہوں پر معائنہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان کے مختلف گھروں میں دو لاکھ ۶۴ ہزار بچے کام کرتے ہیں اور انہیں جسمانی اور جنسی تشدد کا نشانہ بنانے اور آجروں کی طرف سے جبری مشقت لئے جانے کی عام شکایات کے باوجود صوبائی قوانین کا تحفظ گھریلو کام کاج کرنے والے ملازمین کو حاصل نہیں ہے۔ اینٹوں کے بھٹے فیکٹریز ایکٹ مجریہ 1934ء کے تحت آتے ہیں۔ اس قانون کی رو سے بھٹہ مزدوروں کو دیگر کارخانوں کے مزدوروں کی طرح جملہ حقوق حاصل ہیں۔ لاہور ہائی کورٹ نے پنجاب کے لیبر ڈیپارٹمنٹ کو حکم دیا ہے کہ وہ اگست 2020ء تک صوبے میں کام کرنے والے اینٹوں کے تمام بھٹوں کو رجسٹر کرے۔ عدالت نے خاص طور پر لیبر ڈیپارٹمنٹ کو یہ ہدایت بھی کی ہے کہ وہ اس امر کو یقینی بنائے کہ اینٹوں کے کسی بھٹے پر چودہ سال سے کم عمر بچے مزدوری نہ کر رہا ہو۔ ہر مزدور کا ایک تحریری معاہدہ ہو اور انہیں دی جانے والی پیشگی رقم اور وفاق کے قوانین کے تحت مزدوروں کے سماجی تحفظ کے لئے قائم فنڈز کے لئے باقاعدگی سے جمع کرائی جانے والی رقم کا اندراج ایک رجسٹر میں ہونا ضروری ہے۔ پنجاب کے لیبر ڈیپارٹمنٹ کے انسپکٹروں نے جبری مشقت کے خلاف قوانین کی پاسداری کے لئے اینٹوں کے بھٹوں کا معائنہ کیا اور بچوں سے مشقت لینے اور کم معاوضہ دینے پر تیس آجروں کے خلاف ایف آئی آر کوائمیں۔ اس کے علاوہ اسلام آباد کے لیبر ڈیپارٹمنٹ نے 2019ء میں بچوں سے کام کرانے اور جبری مشقت لینے پر اینٹوں کے چھتیس بھٹے بند کرائے۔ لیکن کسی مالک بھٹے کے خلاف فوجداری مقدمہ درج نہیں کرایا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق کام کرنے والے اینٹوں کے 18000 بھٹوں کی اکثریت رجسٹریشن اور مزدوروں کو قانونی مراعات دینے بغیر کام کر رہی ہے۔ صوبوں میں اینٹوں کے بھٹوں پر کم عمر بچوں سے مشقت لینے اور مزدوروں کا استحصال کرنے والوں کے خلاف تحقیقات، مقدمہ دائر کرنے اور سزائیں دینے کے لئے متعلقہ لیبر قوانین استعمال کئے جا رہے ہیں۔ تاہم چونکہ ان قوانین کے تحت متعلقہ قوانین کی خلاف ورزی پر صرف جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے اور پولیس کو تفتیش کے لئے یہ مقدمات نہیں بھیجے جاتے اس لئے جبری مشقت لینے والے مشتبہ سمگلروں کو سخت سزائیں نہیں مل پاتیں۔ پنجاب میں اینٹوں کے 7179 بھٹوں کے خلاف اپنے مزدوروں کو معاوضہ نہ دینے اور دیگر قوانین کی خلاف ورزیوں پر قانونی کارروائی کرتے ہوئے ان پر اکاون لاکھ ستر ہزار روپے جرمانہ عائد کیا گیا (33390 ڈالر) گذشتہ سال اسی عرصہ کے دوران میں 3953 مقدمات چلائے گئے تھے۔ اور ان سے اٹھائیس کروڑ اسی لاکھ روپے (اٹھارہ لاکھ ساٹھ ہزار ڈالر) جرمانہ وصول کیا گیا تھا۔ خیبر پختونخوا کے لیبر ڈیپارٹمنٹ میں بچوں سے مزدوری کرانے اور جبری مشقت کا معائنہ کرنے کے لئے ایک خصوصی ٹیم مقرر کی گئی ہے جس نے 8512 معائنے کئے اور 318 مقدمات دائر کئے اور عدالتوں نے 224 مقدمات میں جرمانے عائد کئے۔ پنجاب میں اینٹوں کے بھٹوں کے مزدوروں کو شناختی کارڈ مہیا کئے جاتے ہیں اور بچوں کی پیدائش پر ان کا اندراج کیا جاتا ہے۔ بچوں سے مزدوری کرانے اور مزدوروں کے دیگر حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے خیبر پختونخوا، پنجاب اور سندھ میں چند کئی سالہ پروگراموں پر عمل درآمد کے لئے رقم فراہم کی جا رہی ہے۔ 1996ء کے بعد بچوں سے مزدوری لینے کے حوالے سے پہلی بار ہونے والے ملک گیر سروے میں وفاقی اور صوبائی حکومتیں ڈھائی لاکھ گھرانوں سے رابطہ کر رہی ہیں۔ حکومتوں نے اس سروے کیلئے رقم مختص کر دی ہے اور عالمی تنظیمیں اس پر عمل درآمد میں مدد فراہم کر رہی ہیں۔

روزگار کے مواقع بڑھانے کے لئے کام کرنے والے نجی اداروں کو لائسنس بیورو آف امیگریشن اینڈ اوور سیز ایمپلائمنٹ (BEOE) جاری کرتا ہے اور یہی ادارہ لائسنس یافتہ ایجنسیوں کے ذریعے بیرون ملک روزگار کے لئے جانے والے کارکنوں کی دیکھ بھال بھی کرتا ہے۔ اگرچہ امیگریشن آرڈیننس مجریہ 1979ء کے تحت غیر رجسٹر شدہ اور کسی قاعدے قانون کی پابندی نہ کرنے والے ذیلی ایجنٹس کے کام کرنے پر پابندی ہے لیکن اس کے باوجود یہ ذیلی ایجنٹس کھلے عام کسی پکڑ دھکڑ کے خوف کے بغیر کام کر رہے ہیں۔ حکومت نے بیرون ملک روزگار فراہم کرنے والے لائسنس یافتہ ایجنٹس کو اجازت

دے رکھی ہے کہ وہ بیرون ممالک جانے والے کارکنوں سے چھ ہزار روپے (39 ڈالر) اُس ویلفیئر فنڈ کے لئے وصول کر سکتے ہیں جس کا مقصد کارکنوں کی بیرون ملک وفات کی صورت میں اُن کے اہل خانہ کی امداد کرنا ہے۔ بیرون ملک روزگار کی فراہمی کے دیگر تمام اخراجات کارکنوں نے خود ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اگرچہ حکومت نے بیرون ملک ملازمتیں فراہم کرنے والوں پر لازم کر رکھا ہے کہ وہ ان اخراجات کی وصولی پر کارکنوں کو رسید جاری کریں۔ لیکن حکومت نے ان اخراجات کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے اور نہ ہی کارکنوں کو دی جانے والی رسیدوں کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ رپورٹ کے اس عرصہ کے دوران میں بیورو آف امیگریشن اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ نے 28 رجسٹرڈ ایمپلائمنٹ ایجنٹوں کے لائسنس منسوخ کئے ہیں جبکہ 44 کے لائسنس معطل کئے گئے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں گذشتہ برس 54 لائسنس منسوخ کئے گئے تھے۔ بیورو آف امیگریشن اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ نے ایجنٹوں کی خلاف ورزیوں کی کوئی تفصیل فراہم نہیں کی ہے۔ اس کے علاوہ رواں سال کی رپورٹ کے عرصہ میں بیورو آف امیگریشن اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ نے 34 غیر قانونی ریکروٹنگ ایجنٹس کے خلاف مقدمات دائر کئے ہیں جن میں عدالتوں نے نو مقدمات کے فیصلے جاری کئے ہیں جن میں دی گئی جرمانے اور قید کی سزاؤں کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ بیورو آف امیگریشن اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ نے کن الزامات کی بنیاد پر مقدمات دائر کئے تھے۔ حکومت نے گھروں میں کام کرنے کے لئے تیس سال سے کم عمر خواتین کی بیرون ملک ملازمت کے لئے نقل مکانی پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ اور تیس سے پینتیس سال کے درمیان عمر والی خواتین کے لئے لازم ہے کہ وہ وزارت اور سیز پاکستان سے خصوصی اجازت لیں۔ اقوام متحدہ اور سول سوسائٹی کے اراکین کا خیال ہے کہ خواتین کی بیرون ملک ملازمت پر عائد پابندیوں کی وجہ سے اس طرح کی خواتین کے غیر قانونی طور پر بیرون ملک جانے اور انسانی سمگلنگ کے جنگل میں پھسنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ بیورو آف امیگریشن اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ کے قواعد روزگار کے لئے بیرون ممالک جانے والوں کو پابند کرتے ہیں کہ وہ روانہ ہونے سے پہلے اس بیورو کے ساتھ دفاتر میں سے کسی ایک میں بریفنگ لینے کے لئے جائیں تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ بیرون ملک مشکلات کا سامنا ہونے کی صورت میں کیا کرنا ہے۔ تاہم مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ دفاتر پیش آسکنے والے خطرات اور انسانی سمگلنگ جیسے مسئلہ سے نمٹنے کے لئے کچھ خاص معلومات فراہم نہیں کرتے۔

اپریل 2019ء میں فوج نے یہ اعلان کیا کہ وہ تیس ہزار مذہبی تعلیمی اداروں کو، جن میں مدارس بھی شامل ہیں سرکاری کنٹرول میں لائے گی۔ ان میں کچھ مسلح گروہ جو ریاستی کنٹرول سے ماورا ہیں زبردستی بچوں کو بطور سپاہی بھرتی کرتے ہیں۔ حکومت نے 878000 افغان پناہ گزینوں کو ملک میں پناہ دے رکھی ہے اور انہیں افغان شہریت کے کارڈ جاری کئے ہوئے ہیں۔ یہ کارڈ ان افغان باشندوں کو پاکستان فائررز ایکٹ کے تحت ملک سے باہر نکالنے سے تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ چودہ لاکھ افغان پناہ گزین ایسے ہیں جن کی رجسٹریشن پہلے کی جا چکی تھی۔ انہیں رجسٹریشن کے ثبوت والے کارڈ جاری کئے گئے ہیں۔ حکومت وقفہ وقفہ سے ان دونوں کارڈوں کی مدت میں اضافہ کرتی رہی ہے۔ حال ہی میں ان دونوں کارڈوں کی مدت بالترتیب 31 مئی 2020ء اور 30 جون 2020ء تک بڑھائی گئی تھی۔ وقفہ وقفہ سے بڑھائی جانے والی مدت کے باعث افغان پناہ گزینوں کے دونوں گروپ غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہیں۔ حکومت جنس کے تجارتی استعمال کی طلب روکنے کے لئے کوئی عملی اقدامات نہیں اٹھا رہی ہے۔ حکومت اپنے سفارت کاروں اور پیس کیپنگ کے لئے بیرون ممالک بھیجے جانے والے عملہ کو انسانی سمگلنگ کی روک تھام کی تربیت دیتی ہے۔ پاکستان 2000ء کے اقوام متحدہ کے TIP پروٹوکول کا حصہ نہیں ہے۔

انسانی سمگلنگ کی صورت حال :

گذشتہ پانچ برس کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی سمگلنگ کرنے والوں نے پاکستان میں ملکی اور غیر ملکی افراد کا جبکہ بیرون ممالک میں پاکستانی

افراد کا استحصال کیا ہے۔ انسانی سمگلنگ کے حوالے سے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ جبری مشقت ہے۔ جس میں پھنستے وقت مزدور کو ابتدائی طور پر دیا جانے والا قرض ملازمت فراہم کرنے کی شرائط کا حصہ ہوتا ہے اور پھر اس گھناؤنے چکر میں پورا خاندان پھنسا لیا جاتا ہے۔ بسا اوقات یہ چکر کئی نسلوں تک پھیل جاتا ہے۔ یہ سلسلہ وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا ہے۔ مقامی سرکاری حکام سمیت انسانی سمگلنگ کرنے والے بنیادی طور پر مردوں، عورتوں اور بچوں کو سندھ میں کھیتوں میں اور پنجاب اور سندھ میں اینٹوں کے بھٹوں پر کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ انسانی سمگلر مردوں، عورتوں اور بچوں کو اپنے بے تحاشہ بڑھے ہوئے قرضے ادا کرنے کے لئے سندھ کے دیگر شعبوں میں اور پنجاب، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں زراعت، اینٹوں کے بھٹوں اور کسی حد تک ماہی پروری، کان کنی، ٹیکسٹائل، چوڑیاں اور قالین بنانے کی صنعتوں میں کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ زراعت میں یہ سمگلر دیگر کاموں کے علاوہ مزدوروں کو گندم، کپاس اور گنے کے کھیتوں میں کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ سمگلر اکثر و بیشتر مزدوروں کو ان کی آمدنی اور اخراجات کی رسیدیں نہیں دیتے، ان مزدوروں کو دیئے گئے قرض، اس پر لگنے والے سود، ان کی اپنی کمائی اور ادا کئے گئے قرض کا سارا حساب کتاب سمگلروں کی تحویل میں رہتا ہے۔ جاگیر دار مزدوروں کے ان پڑھ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حساب کتاب میں گڑ بڑ کرتے اور مزدوروں کا استحصال اور جبری مشقت جاری رکھتے ہیں۔ بہت سے جاگیر دار اور اینٹوں کے بھٹوں کے مالکان انسانی سمگلنگ کرتے اور جبری مشقت کے لئے لوگوں کو گھیرتے ہیں۔ وہ اپنے ان جرائم کو چھپانے کے لئے مقامی سرکاری حکام اور سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اپنی وابستگی کا سہارا لیتے ہیں۔ کچھ جاگیر دار جبری مشقت کے لئے گرفتار لوگوں کی نقل و حمل کی کڑی نگرانی کے لئے مسلح کارندے استعمال کرتے ہیں۔ اور بعض ان مزدوروں کو ایک دوسرے سے خریدتے اور بیچتے ہیں۔ اینٹوں کے بعض بھٹوں میں پورے پورے خاندان کو مزدوری کے لئے رکھا جاتا ہے اور بھٹے مالکان اپنے قرض کی وصولی کے لئے جبری مشقت والے مزدوروں کو فروخت بھی کر دیتے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ سندھ میں قالین بائی اور چوڑیاں بنانے کا کام گھروں کے اندر منتقل ہو جانے کی وجہ سے اب ان کے مزدوروں کی حالت زار پر نظر رکھنا اور بھی دشوار ہو گیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق پاکستان میں جبری مشقت میں گھرے ہوئے افراد کی ستر فیصد تعداد بچوں پر مشتمل ہے۔ انسانی سمگلر جبری مشقت کے لئے نچلی ذاتوں کے ہندوؤں، عیسائیوں اور مسلمانوں کو خاص طور پر نشانہ بناتے ہیں۔

چھوٹے بچوں کو جنسی استحصال، بھیک منگوانے، گھروں اور چھوٹی دکانوں میں کام کرانے کے لئے اغوا کیا جاتا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت پاکستان میں 264000 بچے گھروں میں کام کر رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ میں تو اترا سے یہ خبریں شائع اور نشر ہو رہی ہیں کہ مالکان سات سال تک کے چھوٹے بچوں کو گھروں میں کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جہاں انہیں اکثر جسمانی اور جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ ظلم و جبر کرنے والے مشتبہ افراد میں کئی ایک سرکاری افسر بھی شامل ہیں۔ بچوں کے حقوق کے لئے کام کرنے والی ایک معروف این جی او کے مطابق پاکستان بھر کی گلیوں اور بازاروں میں کام کر نیوالے بچوں کی اکثریت کو بھیک مانگنے پر مجبور کیا جاتا ہے انہیں، جنسی مقاصد کے لئے سمگلنگ کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور ان کا جنسی استحصال کیا جاتا ہے۔ بھیک منگوانے والے بعض اوقات بھیک منگوانے کے لئے بچوں کو معذور بنا دیتے ہیں اور انہیں چوری کرنے پر بھی مجبور کرتے ہیں، سندھ اور بلوچستان میں مجرموں کے منظم گروہ بچوں کو منشیات کی سمگلنگ میں بھی حصہ لینے پر مجبور کرتے ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف سے بے گھر بچوں کو جبری مشقت، جنسی استحصال کا نشانہ بنانے والے مجرموں کے خلاف مریوط کاروائیوں کے نہ ہونے کے باعث یہ مجرم کسی خوف و خطر کے بغیر کھلے عام اپنی سرگرمیاں جاری ہوئے ہیں۔ انسانی سمگلر جنسی مقاصد کے لئے ہٹوں، ٹرکوں کے اڈوں، لاری اڈوں اور مزاروں پر لڑکوں کو استعمال کرتے ہیں۔ سرحدی علاقوں اور کراچی میں افغان، ایرانی اور پاکستانی بچوں کو منشیات کی سمگلنگ کرنے پر بھی مجبور کرتے ہیں۔ بلوچستان میں کان کنی کے ایک مرکز میں بچوں کو وسیع پیمانے پر جنسی استحصال کا نشانہ بنانے کی اطلاعات بھی ملی ہیں۔ بلوچستان، خیبر پختونخوا اور افغانستان سے تعلق رکھنے والے چھ سال تک کی عمر کے چھوٹے بچوں کو کان کنی میں کام کرنے کا لالچ دیا جاتا ہے لیکن انہیں جنسی استحصال کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کچھ واقعات میں ان کے والدین بھی اس گھناؤنے کام میں ملوث ہوتے ہیں۔ پاکستان میں این جی او اور پولیس کی اطلاعات کے مطابق

کارخانوں، ریستورانٹس سمیت بعض مقامات پر بچوں کو ملازمت، رہائش دینے اور ان سہولیات کو جاری رکھنے کی شرائط میں مالکان کو جنسی طور پر خوش کرنے کی شرط بھی شامل ہوتی ہے۔ ایک این جی او نے سرکاری سکولوں میں زیر تعلیم بچوں کو جبری مشقت بنانے کے کئی واقعات کا بتایا ہے۔

کچھ کارخانوں کی طرف سے معائنہ نہ کرنے کے معاوضہ میں ماہانہ رشوت پیش کی جاتی ہے۔ روزگار فراہم کرنے والے غیر قانونی ایجنٹس بچوں کو روزگار مہیا کرنے کے عوض ان کے والدین سے بھاری رشوت وصول کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض بچوں کو جبری مشقت اور جنسی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ پولیس حکام عصمت فروشی اور جنسی مقاصد کے لئے کی جانے والی سنگٹنگ کو نظر انداز کرنے کے لئے رشوت وصول کرتے ہیں اور پولیس رشوت لئے بغیر بچوں کی سنگٹنگ اور جنسی استحصال کے واقعات کی رپورٹ بھی درج نہیں کرتی۔ کچھ پاکستانی انسانی سمگلر خواتین اور لڑکیوں کو ان کے خاندانوں سے جدا کرنے کے لئے انہیں شادی کا جھانسدیتے اور نکاح کے جعلی کاغذات بنوا کر ان سے ایران اور افغانستان تک میں پیشہ کراتے ہیں۔ رپورٹ کے اس عرصہ کے دوران میں انسانی سمگلروں نے خاص طور پر بڑی تعداد میں غریب عیسائی خاندانوں کو چین میں شادی کا لالچ دے کر ان کی خواتین کو چین بھیجا ہے۔ چین پہنچنے والی ان سینکڑوں خواتین نے بتایا ہے کہ وہاں پہنچنے پر ان کے ”شوہر“ انہیں عصمت فروشی پر مجبور کرتے ہیں۔ کئی ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ قرض چکانے یا تنازعات ختم کرنے کے لئے انسانی سمگلروں نے ماوراء عدالت جبرگوں میں تاوان کے طور پر دینے کے لئے لڑکیوں کو استعمال کیا ہے۔ کچھ انسانی سمگلر اپنے شکار کو نشہ کا عادی بنا دیتے ہیں۔ پھر وہ انہیں عصمت فروشی کے لئے مجبور کرتے ہیں۔

کچھ اداروں کا کہنا ہے کہ پاکستان میں موجود ریاست سے ماوراء مسلح گروپ پاکستان سے چھوٹے بچوں کو بھرتی کرتے اور انہیں افغانستان میں لڑنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن بچوں کو لڑائی میں استعمال کرنے کے لئے بھرتی کرنے کے بارے میں حکومت پاکستان کے ملوث ہونے کے حوالے سے کوئی قابل اعتماد ثبوت نہیں ملا۔ ریاست سے ماوراء مسلح گروپ بارہ سال کی عمر تک کے بچوں کو اغوا کرنے، ان کے مفلوک الحال والدین سے انہیں خریدنے، والدین کو جھوٹے وعدوں اور دھمکیوں کے ذریعے اپنے بچے ان کے حوالے کرنے میں ملوث ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ مدارس سے بھی بچوں کو بھرتی کر کے انہیں پاکستان اور افغانستان میں لڑنے، جاسوسی کرنے اور خودکش حملے کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ انسانی سمگلر پاکستانی بچوں کو افغانستان کے دینی مدارس میں داخل کرانے کا وعدہ کر کے انہیں اغلام بازی کے لئے افغان سیکورٹی فورسز کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ پاکستانی مرد اور عورتیں خلیجی ممالک اور یورپ میں زراعت، گھریلو کام کاج، ڈرائیونگ اور تعمیرات جیسے شعبوں میں نچلے درجے کی ملازمتیں کرنے کے لئے رضا کارانہ طور پر ترک وطن کرتے ہیں۔ انسانی سمگلران میں کچھ لوگوں کو استحصال کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ جھوٹی ریکورڈمنٹ ایجنسیاں، غیر قانونی ریکورڈمنٹ ایجنٹوں یا لائسنس یافتہ ایجنٹوں کے ذیلی ایجنٹوں کی طرف سے ملازمتیں فراہم کرنے کے جھوٹے وعدے، ماڈلنگ کے جعلی اشتہارات کے ذریعے بھاری رقوم وصول کر کے ملازمت کے متلاشی پاکستانیوں کو خلیجی ممالک میں جبری مشقت اور جنسی استحصال کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ 2019ء میں مختلف ممالک میں 11000 پاکستانیوں کو گرفتار کیا گیا تھا ان میں سے 3000 سے زائد صرف سعودی عرب میں پکڑے گئے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ غیر ممالک میں قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ریکورڈمنٹ ایجنٹوں کی طرف سے مہیا کئے جانے والے جعلی کاغذات کی وجہ سے یا سرے سے کوئی شناختی دستاویزات موجود نہ ہونے کے باعث انہیں گرفتار کیا۔ شناختی دستاویزات کی عدم موجودگی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انہیں ملازمت فراہم کرنے والوں نے جبری مشقت لینے کی خاطر ان کے کاغذات اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ انسانی سمگلر کینیڈا میں عصمت فروشی کے لئے پاکستانی خواتین کو استعمال کرتے ہیں اور خلیجی ممالک میں مردوں سے خاص طور پر معذوروں سے جبری طور پر بھیک منگواتے ہیں۔ یونان میں پاکستانی لڑکوں کو جنسی استحصال کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کچھ منظم جرائم پیشہ انسانی سمگلر ایران میں گھریلو کام کاج، تعمیرات اور بھیک منگوانے کے لئے پاکستانی بچوں اور مردوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے معذور افراد کو بھی نہیں بخشا جاتا۔ بہت سے غیر ملکیوں خاص طور پر بنگلہ دیش، سری لنکا

اور افغانستان سے تعلق رکھنے والے جبری مشقت کے شکار مردوں، عورتوں اور بچوں کی منزل پاکستان ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ پاکستان میں تعمیرات کے شعبہ میں کام کرنے والے چینی کارکن جبری مشقت کا شکار ہوں۔ انسانی سمگلنگ میں ملوث لوگ پاکستان میں جنسی مقاصد کے لئے ایران اور افغانستان سمیت دیگر ایشیائی ممالک سے تعلق رکھنے والی خواتین، لڑکیوں اور کسی حد تک لڑکوں کو سمگل کرتے ہیں۔ افغانستان، بنگلہ دیش اور برما سے آنے والے پناہ گزین اور شہریت نہ رکھنے والے لوگوں کے ساتھ ساتھ عیسائی اور ہزارہ اقلیتیں پاکستان میں انسانی سمگلنگ میں ملوث افراد کا خاص نشانہ بنتے ہیں۔ انسانی سمگلروں نے ہنگاماً پناہ گزینوں کو پاکستان میں جبری مشقت کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔
